معاصر مسلم تہذیب: مالک بن نبیؒ کی فکر کا تجزیاتی مطالعہ

Contemporary Muslim Civilization: An Analytical Study of Malik Bennabi's Thought

Dr. Samiul Haq
Alumni, Department of Islamic Thought and Civilization,
University of Management and Technology, Lahore
Email: samiulhaqs@gmail.com

Muhammad Afzal
Alumni Department of Islamic Studies,
Alumni Lahore Leads University Lahore
Email: Afzaleducationaluse@gmail.com

Ejaz UL Haq
MPhil Scholar Department of Islamic Studies,
Lahore Leads University Lahore

Abstract
Malik Bennabi, an Algerian Muslim thinker, was born in 1905. The study of civilization is the central axis and primary domain of his thought, around which his ideas revolve. According to him, the fundamental issue of any nation and the root of all its problems is its civilization. This is why he published his works under the title "Problems of Civilization" (مشكلات الحضارة). He believes that if a society or nation is facing any difficulty, it is a matter of civilization. If the conditions for harmony within that nation are met, its civilization will be at its peak, and all its problems, whether colonialism, poverty, or ignorance, will automatically be resolved under it. These ailments are, in fact, different forms of one illness, which is the "lack of civilization." Malik Bennabi has made this illness and its treatment the subject of most of his books.

Therefore, to understand Malik Bennabi's thought, it is essential to study his views and ideas on civilization and to understand what he means by civilization and how he uses this term. Since he lived under a colonial regime and experienced rebellion, he became closely acquainted with the issues of civilization and other problems of Muslims. The following lines present an analysis of these issues.

Keywords: Contemporary Muslim Civilization, Rise and Fall, Malik Bennabi, Muslim Thought, Analytical Study

مالک بن نبی الجزائری مسلم مفکر ہیں۔1905 میں ان کی پیدائس ہوئی۔ مطالعہ تہذیب ان کی فکر کا محور اور بنیادی دائرہ ہے، جس کے گرد اُن کے افکار گھومتے ہیں۔ اُن کے نزدیک کسی بھی قوم کا بنیادی مسئلہ اور تمام مشکلات کی جڑ اُس کی تہذیب کا مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے فکری کام کو "مشکلات الحضارۃ"یعنی تہذیبی مسائل کے عنوان سے شائع کروایا ہے۔ اُن کے مطابق کوئی معاشرہ اور قوام اگر کسی مشکل سے دوچار ہے تو وہ تہذیب کا مسئلہ ہے۔ اگر اس قوم کے اندر ہم آہنگی کے شرائط پورے ہیں تو ان کی تہذیب اونچائی پر ہوگی اور اس قوم کے تمام مسائل اس کے تحت خود بخود حل ہوں گے، چاہے وہ استعمار کا مسئلہ ہو یا غربت اور جہالت کا۔ کیونکہ یہ ساری بیماریاں دراصل ایک بیماری کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ بیماری "تہذیب کا فقدان" ہے۔ مالک بن نبیؒ نے اس بیماری اور اس طریقہ علاج کو اپنی اکثر کتابوں کا موضوع بنایا ہے۔

لہٰذا مالک بن نبیؒ کی فکر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تہذیب کے بارے میں ان کی رائے اور ان کے خیالات کا مطالعہ کیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ ان کے خیال میں تہذیب سے کیا مراد ہے اور وہ اسے کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے چونکہ ایک قابض قوم کے تحت رہے، جس کی بغاوت کے نتیجے میں انہوں نے تہذیب اور مسلمانوں کے دیگر مسائل کو قریب سے جانا۔ ذیل کے سطور میں انہی مسائل کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

1. تہذیب کے لغوی معنی:

تہذیب عربی کا لفظ ہے جس کے معنی کسی درخت یا پودے کو تراشنا یا کاٹنا ہے تاکہ اس کے اندر نئی شاخیں یا ٹہنیاں پھوٹیں۔(1)، فارسی میں کسی شے کو آراستہ، پاک اور درست کرنا اور اردو زبان میں اس کے معنی مؤدب با اخلاق اور شائستہ ہونا ہے۔ یہ ان پیچیدہ اصطلاحات میں سے ایک ہے جن کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس کے لئے عربی زبان میں حضارۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو تمدن کے مرادف ہے، جس کے مطابق تہذیب تمدن کا اور تمدن تہذیب کا نام ہے۔ عربی زبان میں "حضارۃ" کا لفظ شہر میں رہنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی میں یہ "بدو" یا "بادیہ" کا متضاد ہے، جس کا مطلب دیہات یا گاؤں ہے۔ اس معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور پھر تہذیب کا لفظ علمی، فنی، ادبی اور معاشرتی ترقی کے مظاہر کے لئے استعمال ہوا۔(2)

2. تہذیب کا اصطلاحی مفہوم:

ابن خلدون ان معدودے چند اسلامی مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے تہذیب اور اس کے مسائل کو موضوع بحث بنایا اور اس کو بھرپور معاشرتی اصطلاح کے طور پر متعارف کروایا۔ اُن کے نزدیک تہذیب کسی قوم کی تمدن کی انتہا اور کسی گروہ کے ثقافتی ترقی کے معراج کو کہتے ہیں۔(3) گویا ابن خلدون نے تہذیب کو مدنیت یا تمدن تک محدود کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضارۃ یعنی تہذیب رنگ برنگ کی عیاشی (سہولیات) اور طرح طرح کی

صنعتیں جو زندگی کے مختلف امور میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں جیسے باورچی خانہ سے متعلق آلات، مختلف اقسام کے کپڑے، مختلف ڈیزائن کے گھر، طرح طرح کے فرش اور سر بفلک عمارات اور ان کے رنگ برنگ حالات واطوار اپنے دامن میں سمیٹ لاتی ہیں۔ ان بنیادی ضرورتوں میں ہر ایک کے لئے صنعتیں ہوتی ہیں جو انھیں انتہائی حسین و جمیل بنا دیتی ہیں۔ جیسے جیسے خوشحالی کی وجہ سے لوگوں کے رجحانات، ذوق اور ان کے سہولت پسندی کے حالات بدلتے ہیں اسی نسبت سے ملک میں نئی صنعتیں رواج پاتی ہیں، چنانچہ بدویت کے پیچھے پیچھے شہریت آکر رہتی ہے۔[4]

گویا کہ ابن خلدون نے تہذیب کو شہریت یا صنعتی ترقی تک محدود کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بن نبی نے ان کے اس نظریہ پر نقد کیا ہے کہ شہریت جسے ابن خلدون ملک کا نام بھی دیتے ہیں، تہذیب کا ایک مظہر ہے نہ کہ بذات خود تہذیب۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ ہمیں تہذیبی ترقی کے بارے میں بتاتے نہ کہ شہریت کے تطور کے بارے میں۔[5]

تہذیب کی اصطلاح خاص طور سے مشرق و مغرب کے درمیان تہذیبی کشمکش کے بعد سے زیادہ زیر بحث آئی ہے۔ چنانچہ ہر کسی نے اپنے اپنے حساب سے اس کی تعریف ذکر کی ہے لہٰذا اس کی کوئی ایک متفق علیہ تعریف نہیں ملتی۔ ان مختلف تعریفات میں ایک یہ ہے کہ تہذیب اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے ہر اس کوشش کے نتیجے کا نام ہے جسے انسان اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لئے کرتا ہے۔[6] اس اعتبار سے انسانی زندگی کو منظم کرنے کی ہر شکل تہذیب کہلائے گی خواہ وہ کسی ترقی یافتہ معاشرے میں ہو یا ترقی پزیر معاشرے میں ہو۔

معروف امریکی مصنف ولیم ڈیورنٹ[7] نے اپنی کتاب The Story of Civilization میں لکھا ہے کہ "تہذیب ایک ایسے اجتماعی نظام کا نام ہے جو ثقافتی پیداوار میں اضافے کے لئے انسان کی مدد کرتا ہے، تہذیب چار عناصر کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے: معاشی وسائل، سیاسی نظام، اخلاقی اقدار اور علم و فن۔ اور یہ اس وقت شروع ہوتی ہے جب بے چینی اور افراتفری ختم ہوتی ہے۔[8]

بعض مفکرین نے تہذیب کو مہذب انسان کی صورت میں دیکھنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ان کے نزدیک تہذیب یافتہ انسان وہ ہے جس میں پانچ صفات پائی جائیں: سچائی، حسن، جانبازی، فن اور امن بشرطیکہ کہ یہ تمام صفات اس کی زندگی کے ہر پہلو میں موجود ہوں۔[9]

محمد عبد المنعم نور نے اس کی تعریف یوں لکھی ہے کہ " یہ انسانی زندگی کی ترقی یافتہ شکل کا نام ہے جس کی بنیاد بطور خاص شہری زندگی اور اس کا مطلوبہ نظم ونسق ہے جس کے نتیجے میں تصنیف و تالیف، قانون سازی، نظام حکومت اور تجارتی لین دین کے مختلف طریقے سامنے آتے ہیں"[10]

مولانا مودودیؒ کے نزدیک تہذیب کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے: "دنیوی زندگی کا تصور، اساسی عقائد وافکار، تربیت افراد اور نظام اجتماعی۔ دنیا کی ہر تہذیب انھی پانچ عناصر سے بنی ہے، اور اسی طرح اسلامی

تہذیب کی تکوین بھی انھی سے ہوئی ہے۔"[11] مولانا لکھتے ہیں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے اُس کے علوم و آداب، فنونِ لطیفہ، صنائع و بدائع، اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست کا۔ مگر حقیقت میں یہ نفسِ تہذیب نہیں ہیں بلکہ تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں، تہذیب کے اصل نہیں ہیں شجرِ تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات کی بنیاد پر متعین نہیں کی جاسکتی۔[12]

سید قطبؒ نے اسلام ہی کو تہذیب قرار دیا، انھوں نے اپنی کتاب معالم فی الطریق میں ایک فصل کا عنوان رکھ دیا "الاسلام ھو الحضارۃ" یعنی اسلام ہی اصل تہذیب ہے۔[13] اس کی وضاحت انھوں نے اس طرح سے کی ہے کہ "جب کسی معاشرے میں حاکمیت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو، اور اس کا عملی ثبوت یہ ہو کہ اللہ کی شریعت کو معاشرے میں بالادستی حاصل ہو تو صرف ایسے معاشرے میں انسان اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے کامل اور حقیقی آزادی حاصل کر سکتے ہیں، اسی کامل اور حقیقی آزادی کا نام "انسانی تہذیب" ہے۔"[14]

سید قطب کے نزدیک تہذیب وہ ہے جو اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے دائرے میں رہتے ہوئے معاشرے کے ہر فرد کو آزادی اور عزت دے، اس اعتبار سے ہر وہ معاشرہ جو اللہ کا باغی ہو وہ پسماندہ اور تہذیب کے دائرے سے خارج معاشرہ ہو گا۔ صرف مادی ترقی کو اسلام میں تہذیب نہیں کہا جاسکتا۔ سید قطبؒ کے نزدیک تہذیب اقدار و اخلاق کے مجموعے کا نام ہے، ظاہری چمک دمک کا نام نہیں ہے۔ اُن کے مطابق تہذیب کی تعریف میں مادی عوامل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ تہذیب حیوانیت، مادیت اور غیر انسانی رویہ کا متضاد ہے، یہ انسانیت کی تصویر ہے جو ان صفات سے متصف ہو جو اللہ تعالیٰ زمین پر انسان کے لئے چاہتا ہے اور جو آزادی و حریت اور عزت و کرامت کا نام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک کامل تہذیب وہ ہے جس میں مذکورہ پانچ عناصر[15] بوجہ اتم موجود ہوں۔ جبکہ سید قطبؒ نے اس لفظ کو اسلام ہی میں منحصر کر دیا ہے، گویا کہ اسلام ہے تو تہذیب ہے اور انسان کا ہر وہ عمل جو اسلام کے دائرے سے خارج ہے وہ جاہلیت اور پسماندگی ہے۔

مبحث سوم: بن نبی کا تصور تہذیب

مالک بن نبیؒ کے نزدیک تہذیب اُن اخلاقی اور مادی اقدار کا مجموعہ ہے جو کسی مخصوص معاشرے کے افراد کو زندگی کے ہر مرحلے میں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ضروری تعاون فراہم کریں۔[16] اس تعریف کے دو پہلو ہیں: ایک معنوی پہلو ہے جس کی معاشرتی سرگرمیاں اور فرائض معاشرہ خود اپنے تحرک کے ساتھ متعین کرتا ہے، اور دوسرا مادی پہلو ہے جو معاشرے کو وہ ضروری وسائل فراہم کرتا ہے جس سے وہ اپنی سماجی ذمہ داریاں نبھا سکے۔[17]

مالک بن نبیؒ کے اس تعریف کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے نزدیک تہذیب اور تمدّن دو الگ الگ چیزیں ہیں، وہ تمدن کو تہذیب کی مادی شکل قرار دیتے ہیں جبکہ تہذیب اس کی روح اور اخلاق کا درجہ رکھتی ہے۔

بن نبی نے تہذیب کو مختلف جہتوں سے دیکھ کر اس کی تعریف کی ہے:

جوہر کے اعتبار سے: اپنے جوہر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انھوں نے تہذیب کو ثقافت کا مترادف قرار دیا ہے، اس اعتبار سے وہ تہذیب کو حاصل شدہ ثقافتی اقدار کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ثقافت اپنے جوہر کے اعتبار سے تہذیب ہی ہے کیونکہ ہر معاشرتی حقیقت دراصل ثقافتی قدر ہے جو معرض وجود میں آیا ہے۔ گویا کہ دونوں ایک چیز ہے۔[18]

عناصر ترکیبی کے اعتبار سے: عناصر ترکیبی کے اعتبار سے بن نبی کے مطابق تہذیب وہ معاشرتی مرکب ہے جو تین عناصر پر مشتمل ہو۔ اور وہ تین عناصر انسان، تراب اور وقت ہیں۔

فنکشن کے اعتبار سے: اپنے فنکشن اور ذمہ داری کے اعتبار سے تہذیب اُن اخلاقی اور مادی اقدار کا مجموعہ ہے جو کسی مخصوص معاشرے کے افراد کو زندگی کے ہر مرحلے میں ترقی کی ضمانت فراہم کریں۔[19]

اپنی اکائی اور تعلق کے اعتبار سے: بن نبی کے مطابق اس اعتبار سے تہذیب کو جانچنے کے لئے عمومی پیمانہ یہ ہے کہ تہذیب حیاتیاتی (بیالوجیکل) اور فکری میدان کے تعلقات کا مجموعہ ہے۔ حیاتیاتی لحاظ سے تہذیب نشو نما پاتی ہے اور اس کی ساخت مضبوط ہوتی ہے جبکہ فکری لحاظ سے اس کی روح کو تقویت ملتی ہے۔[20]

مالک بن نبیؒ کا مختلف جوانب سے تہذیب کی تعریف درحقیقت اس کی وضاحت اور اس کے حدود و قیود بیان کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اس مسئلے کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ ان تمام تعریفات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- تہذیب ایک کل اور مجموعہ ہے، اسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا، یہ ایک ترکیب کا نام ہے جو ایک مخصوص منہج کے مطابق متعین مرکب کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔
- تہذیب کے دو پہلو ہیں: ایک مادی پہلو اور ایک روحانی اور معنوی پہلو۔
- مادی پہلو روحانی پہلو پر منحصر اور درحقیقت اس کا نتیجہ ہے۔
- تہذیبی مسائل معاشرتی مسائل کی جڑ ہے۔[21]

مالک بن نبیؒ نے جان بوجھ کر تہذیب کی تعریف متعین کرنے اور اس حوالے سے اپنے موقف بیان کرنے میں علم بشریات کے ایک عنوان کی حیثیت سے اس اصطلاح کو پیش کرنے سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ علم بشریات کے اعتبار سے تہذیب کی اصطلاح تمام انسانی معاشروں پر محیط ہے چاہے وہ ترقی یافتہ ہوں یا پسماندہ، یہ زندگی کی تنظیم کی ہر شکل کا نام ہے، چنانچہ پسماندہ ممالک اور سامراج کے زیر سایہ نو آبادیاتی ممالک میں موجود شکل بھی تہذیب کہلاتی ہے ، حالانکہ وہاں درپیش مسائل و مشکلات سب کے سامنے ہیں۔ مالک بن نبیؒ نے اس پہلو سے تہذیب کی تعریف کو اس

لئے نظر انداز کیا ہے کیونکہ اس کو ماننے سے اُن کی ساری محنت کی نفی ہو جاتی ہے اور وہ مسائل بے وقعت ہو جاتے ہیں جن کے حل کے لیے انھوں نے تگ و دو کی ہے۔[(22)] در حقیقت مالک بن نبیؒ تہذیب کے مسئلے کو عملی نقطہ نظر سے ترقی اور پسماندگی کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں، اُن کے مطابق تہذیب پسماندگی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

مبحث چہارم: تہذیب کے عناصر

کوئی بھی تہذیب زمان و مکان سے خارج نہیں ہے، ہر تہذیب کا وجود ایک خاص زمان اور متعین مکان میں ہوتا ہے، اور اگر انسان نہ ہو تو تہذیب کا نہ مکان ہوگا نہ زمان یہی وجہ ہے کہ مالک بن نبیؒ کے نزدیک تہذیب انسان، زمین اور وقت کے مجموعے کا نام ہے۔ ان کے مطابق انسان + زمین + وقت = تہذیب ہے۔ یہی تین ان کے بنیادی عناصر ہیں۔

1. **انسان:**

تہذیب کے عناصر ترکیبی میں انسان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہی اپنے اعمال اور رویے سے تہذیب پیدا کرتا ہے۔ انسان تاریخ کو تبدیل نہیں کر سکتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو تبدیل نہ کر دے۔[23] مالک بن نبیؒ بحیثیت فرد انسان کی بات نہیں کر رہے بلکہ ان کی مراد اجتماعی انسان ہے، جس کے افعال سے تہذیب نشو نما پکڑتا ہے۔

مالک بن نبیؒ کے مطابق انسان کسی بھی تہذیب کی مرکزی قوت ہے جس کے بغیر بقیہ دو عناصر بے کار ہیں۔ بن نبی کے نزدیک تہذیب کے عروج و زوال کا انحصار انسانی کی ترقی و تنزلی پر ہے۔ ان کے نزدیک انسان ہی تہذیب کی مساوت میں معاشرتی یا تہذیبی تبدیلی بروئے کار لاسکتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو اس کی فطری صورت پر تخلیق کیا ہے۔ حالات اور اس کا ماحول اس پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کی ترقی و تنزلی کا سبب بنتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے معاشرتی و تاریخی محرکات کا نتیجہ ہے۔ بن نبی نے انسان اور تہذیب کا ایک جدلیاتی تعلق دکھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "انسان تمام تہذیبوں کی بنیادی شرط ہے اور تہذیب مسلسل انسانی حالت کو متعین کرتی رہتی ہے"۔[24]

بن نبی کے نزدیک انسان ایک معاشرتی وجود ہے اور تاریخی لحاظ سے وہ زمان و مکان سے فطری طور پر اتنی مناسبت نہیں رکھتا جتنی معاشرتی حوالے سے رکھتا ہے۔ انسان ایک ایسا مرکب وجود ہے جو تہذیب کا معمار بھی ہے اور اس کی تعمیر بھی۔ مالک بن نبیؒ نے ان اصلاحی تحریکوں پر تنقید کی ہے جو انسان کے حالات و ماحول کو تبدیل کرنے کی فکر میں تو لگی رہتی ہیں لیکن انسانی احوال کی تبدیلی کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔ وہ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ۔[25]

مالک بن نبیؒ نے انسانوں کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ مکمل انسان اور کسری انسان۔ تہذیب اپنا تہذیبی عمل مکمل انسان سے شروع کرتی ہے اور اس کا زوال کسری انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: تاریخ کامل انسان

سے آغاز کرتی ہے جو مسلسل اپنی محنت اور آدرش و ضروریات میں مطابقت پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور معاشرے میں اپنے دوہرے مقاصد یعنی فاعل و شاہد کی تکمیل کرتا ہے"۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ "تاریخ کسری انسان کے ساتھ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ وہ جو کششِ ثقل کے مرکز و محور سے محروم ہو۔ ایسا فرد جو ایک گرے ہوئے معاشرے میں جی رہا ہو جو نہ تو اسے اخلاقی معنی میں کوئی وجودی نشو و نما فراہم کر سکے اور نہ ہی مادی اعتبار سے اس کی وجودی ترقی کے لیے مفید بن سکے۔[26] "

انسانوں کی یہ دو قسمیں تہذیب کے دوادوار کے مشابہ ہیں جس طرح مکمل انسان تہذیبی عمل کا بدیع ہوتا ہے۔ اسی طرح کسری آدمی تہذیب کے زوال کا شاہد ہوتا ہے۔ جہاں وہ کسی بھی تہذیبی عمل کی ذمہ داری اٹھانے سے قاصر ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی معاشرتی تحریک میں شریک ہونے کا کوئی عزم نہیں رکھتا۔ بن نبی نے ان دو اقسام کا فرق خام انسان اور تربیتیافتہ انسان کے استعاروں سے بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ خام آدمی فطرت کی پیداوار ہے۔ ایک ابتدائی اور غیر مہذب مرحلے میں اور سدھایا ہوا انسان وہ ہے جسے معاشرے نے تیار کیا ہے۔ یہ معاشرے کا کام ہے کہ وہ فرد کی صورت گری کرے۔ اپنے مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی سمت بندی کرے۔ خام حالت میں انسان فطری استعداد سے واقف ہوتا ہے جبکہ تیار شدہ حالت میں وہ معاشرتی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ بن نبی کا کہنا ہے کہ ہم اس حقیقت پر پہلے ہی زور دے چکے ہیں کہ انسانی معاشرہ محض افراد کا اجتماع نہیں ہے۔ زیادہ صحیح لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے کی بنیادی اکائی فرد خام نہیں بلکہ تربیتیافتہ انسان ہے۔[27]

بن نبی کے مطابق، ہماری اہم ضرورت وسائل کے دائرہ کار سے زیادہ انسانوں کے دائرہ کار میں ہے ...
ہماری بنیادی ضرورت اولاً فطری انسان کی بازیافت ہے اور ثانیاً اسے مہذب بنانا ہے۔ نیا انسان ہے ... تاکہ وہ تہذیب ایک بار پھر واپس آئے جسے ہم نے ایک طویل عرصہ تک کھو دیا ہے. ہر انسان کو اس میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔[28]

مالک بن نبیؒ کے نظریہ تہذیب میں انسانوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان دو طرح کی شناخت رکھتا ہے ؛ ایک سماجی شناخت اور ایک فطری یعنی جسمانی خصوصیات پر مشتمل شناخت۔ فکری اور نفسیاتی خصوصیات سے پیدا ہونے والی سماجی شناخت ماحولیاتی اور تاریخی عوامل کی گرد بھی گھومتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سماجی شناخت جگہ اور وقت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔

انسان بحیثیت فرد معاشرے پر تین طرح سے اثر ڈالتا ہے ؛ اپنی سوچ و فکر سے، اپنے کام اور عمل سے اور اپنے راس المال سے، چنانچہ بن نبی نے ان تینوں دائروں میں کام پر زور دیا ہے۔ اُن کے مطابق معاشرہ اس وقت ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا جب ہر فرد اپنے دائرہ کار میں بے کار بیٹھنے کے بجائے کام کرے گا، معاشرہ جب بحیثیت مجموعی "عطل" سے نکل کر کام پر لگے گا تو بیداری شروع ہو گی۔ اس میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں بلکہ "راستے سے مضر چیز ہٹانا بھی

عمل ہے، کسی کو بغیر غصے کے کلمہ نصیحت کہنا بھی عمل ہے اور فارغ وقت کو استعمال کرتے ہوئے کسی کی مدد کرنا بھی ایک عمل ہے۔۔۔ جب ہم معاشرے کو کچھ دیتے ہیں تو ہم کام کرتے ہیں اور اگر لیتے بھی ہیں تو اس طرح کہ تاریخ کا حصہ بن جائے۔ کام کو درست سمت دینا ہی معاشرے کو آگے لے کر جانا ہے"۔[29]

مالک بن نبیؒ نے دولت (الثروۃ) اور راس المال یعنی سرمایہ میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دولت وہ ہے جو انسان معاشرے میں اپنی حیثیت دکھانے کے لئے اپنے اوپر خرچ کرتا ہے یا اپنی ذاتی ضروریات کے لئے خرچ کرتا ہے، جبکہ سرمایہ ذاتی مال نہیں بلکہ وہ مال ہے جو مسلسل گردش میں رہتا ہے اور جس سے کئی لوگ جڑے ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق دولت کو سرمایہ میں تبدیل کرنا اور اسے گردش میں لانا ہی بنیادی طور پر بیداری کا عمل ہے۔ اس طرح جامد اموال اور چند ہاتھوں میں محصور دولت کو حرکت میں لاکر امت کی بگڑی بنائی جاسکتی ہے اور ان کے مطابق یہ ممکن ہے حتیٰ کہ غریب ممالک میں بھی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اگر اس کے لئے جدوجہد کی جائے۔[30]

2. تراب:

مالک بن نبیؒ کے مطابق تہذیب کا دوسرا اہم عنصر "تراب" یعنی مٹی ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے "تراب" سے مراد زمین، دنیا یا کائنات لی جاسکتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور زمین میں خلافت سے سرفراز کیا۔ لفظ مٹی کا مطلب ہے تمام خام مال ہے چونکہ زمین انسان کی خوراک اور غذا کا بنیادی ذریعہ ہے اس لئے مٹی سے تعبیر کیا۔ اس میں سماجی اور سیاسی معنی بھی شامل ہو سکتا ہے، جو ملکیت کا حامل ہے، لہٰذا اس تراب کو ایسے طریقے سے استعمال کرنا ضروری ہے جو انسان اور تہذیب کی ترقی کا ذریعہ بنے۔[31] مالک بن نبیؒ مٹی یعنی زمین سے مراد اس کی خصوصیات اور اس کی ماہیت نہیں لیتا بلکہ ان کا مقصد اس کی معاشرتی حیثیت کو دیکھنا ہے اور اس کی معاشرتی حیثیت کو اس کے مالک کی حیثیت اور قیمت سے اور اس کی امت کی حیثیت سے پرکھا جاسکتا ہے۔[32]

مالک کے لئے زمین ذریعہ معاش اور تہذیبی سرمایہ ہے۔ اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہی تہذیب کی بنا میں بنیادی کردار ادا کرتاہ۔ لہٰذا ابن نبی کے نزدیک تراب کی قیمت اس کے مالک کی قیمت وحیثیت کا جزو لاینفک ہے، چنانچہ اگر اس کا مالک مہذب ہے تو اس کی زمین پیداوار دینے والی اور قیمتی ہوگی اور اگر اس کا مالک کمزور ہو تو اس کی زمین کھنڈرات کی طرح بے وقعت ہوگی۔ کیونکہ جو زمین پیداوار نہیں دیتی وہ سرسبز ہونے کے بجائے بنجر وویران بن جاتی ہے اور آہستہ آہستہ صحرا بن جاتی ہے جو شروع میں تو چراہ گاہ کا کام دیتی ہے لیکن بالآخر وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے۔[33] یاد رہے کہ مالک بن نبیؒ زمین سے مراد قدرتی وسائل ہیں۔[34]

مالک بن نبیؒ نے اس بات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اُس وقت کے الجزائر میں ہونے والی زمینی تبدیلی کی مثال پیش کی ہے اور کہا ہے کہ قابل استعمال زمین مسلسل گھٹ رہی ہے اور صحرا میں تبدیل ہو رہی ہے۔

اس کو انھوں خونی سانحہ قرار دیتے ہئے کہا کہ "سر سبز امین مر رہی ہے اور لوگوں کو ویران صحراء کے سامنے یتیم چھوڑ رہی ہے"[35] انھوں نے اپنے شہر تبسہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں کی آبادی ایک لاکھ اسی ہزار تھی لیکن صرف دس سال کے عرصے میں کم ہو کر صرف چالیس ہزار رہ گئی۔ مالک بن نبیؒ کے مطابق فرانسیسی باشندوں کو الجزائر کے جنوب مغربی علاقے میں انھیں ریت کے طوفانوں کا سامنا تھا جس کی وجہ سے ان کی زندگی مشکل ہو گئی تھی اور قابل استعمال زمین مسلسل کم ہو رہی تھی۔ اس مسئلے کے حل کے لئے اور اس مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے انھوں نے بڑے پیمانے پر درخت لگائے اور یہ کام انھوں نے مسلسل بیس سال تک کیا جس کے نتیجے میں ریت کے طوفانوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔[36]

مالک بن نبیؒ کے مطابق جو قوم اپنی زمین اور اس کے طبعی وسائل کی اہمیت کو جان کر اس سے فائدہ اٹھانا جان جاتے ہیں تو وہ اپنی تہذیب کی اٹھان کے لئے اسے استعمال کرنا شروع کرتے ہیں، وہ کبھی زمانے کے حوادث سے نہیں ڈرتے۔[37]

3. وقت

وقت تہذیب کا انتہائی ناگزیر عنصر ہے، کیونکہ ہر تہذیب کسی خاص مدت میں بڑھتی ہے اور جو قوم بھی وقت کے ساتھ انصاف کرتی ہے تو اس کی تہذیب ترقی کے زینے چڑھتی ہے۔ بن نبی کے مطابق ہمیں وقت کا استعمال صرف ایک کام سرانجام دینے کے لئے نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ترقیکی رفتار کو بڑھانے کے لئے ہمیں کم از کم ممکنہ وقت میں کام کرنا چاہئے۔ وقت کو زیادہ سے زیادہ منظم اور منصوبہ بندی سے، تراب اور انسان کا ساتھ مل جائے تو تاریخ کے دامن میں ایک تہذبیافتہ قوم کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کے مطابق اسلامی دنیا کی ٹرین اسلئے چھوٹ گئی ہے اور دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی ہے کہ اس کے ہاں وقت کی قدر نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں بھرپور محنت کے ساتھ بڑے پیمانے پر اس کا انتظام کرنا چاہئے تاکہ ہم دنیا کے ساتھ چلنے کے قابل ہو سکیں۔[38]

"مالک بن نبی کے نزدیکیہ عناصر جو تاریخی تحریکوں کا سبب بنتے ہیں، نظریات، افراد اور اشیاء کا منبع اور سرچشمہ ہیں۔ لہذا اگر کوئی معاشرہ بگڑتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی تعمیر مذکورہ تین عناصر پر نہیں ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دو عناصر، افراد اور اشیاء پر کام کرتا ہے اور نظریات کو نظرانداز کر دیتا ہے تو وہ فکر و عمل کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ اس پوری مدت کے دوران مسلمانوں کی بے فکری اور بے عملی ہی ہے جو مسلم دنیا کے زوال کا باعث بنی کیونکہ ان کی تمام سماجی شکلیں جامد اور بے جان ہو چکی تھیں۔"[39]

جب مالک بن نبی مٹی اور سرزمین کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اس کی فطری خصوصیات کے بجائے اس کی سماجی اہمیت مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح وقت کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اسے ایک سماجی نقطہ کے طور پر دیکھتے ہیں، ایسا سماجی محور یا

نقطہ جو بذات خود ایک سماجی قدر ہے جو اندر ہی اندر سرگرم اور فعال خیالات کو متحرک کرتا ہے۔ اُن کے مطابق وقت کا صحیح استعمال کرنے میں مسلم دنیا مکمل طور پر ناکام رہی ہے، اسی طرح پختہ اور معنی خیز افکار وخیالات کو پروان چڑھانے میں بھی کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکی۔ جب کوئی ان تین چیزوں؛ سرزمین، وقت اور زندگی پر حکمرانی کرتا ہے تو وہ ہر چیز کا مرکز و محور ہوتا ہے۔ کسی بھی قوم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ تاریخ پر نظر رکھے اور سائنس و ٹکنالوجی کے ساتھ ساتھ فکر وخیال اور فنون لطیفہ کے میدان میں بھی آگے بڑھے اور رفتہ رفتہ اپنے ان اصولوں اور اقدار کو بھی پیش کرے جن سے اس قوم کی شناخت وابستہ ہے۔[40]

مالک بن نبیؒ تہذیبی تصور کا خلاصہ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ اخلاقی اور مادی اشیاء کا مجموعہ ہے جو سماج کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے تمام افراد کے لئے وہ تمام سہولیات مہیا کر سکے جو ان کی ترقی کے لئے معاون ہو۔ لہٰذا، اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو ایک کمیونٹی کے لیے ضروری ہیں جیسے فکری، روحانی اور ثقافتی، سیاسی، اقتصادی اور تکنیکی ضرورتیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ تہذیب کا تصور کہیں نا کہیں ثقافت سے مربوط ہوتا ہے، اور ہر سماج اپنے طور پر اسے نظریات اور تصور کی دنیا سے جوڑتا ہے جس کی بدولت سماج آگے بڑھتا ہے اور ترقی کی راہ میں گامزن ہوتا ہے۔ تہذیب ثقافتی تبدیلیوں اور سماجی اصولوں کے ساتھ آتی ہے اور پھر ایک ایسی طاقت بن جاتی ہے جو معاشرے کی سمت اور رخ طے کرتی ہے۔ مذہب، تہذیب کا ایک اہم جز ہے جس کے وجہ سے معاشرے کا اخلاقی نظام وجود میں آتا ہے، اور جب اس اخلاقی نظام میں کوئی کمی آتی ہے تو اقدار میں بھی زوال آتا ہے اور پھر ہر طرف مسائل اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہوتی ہیں۔

مبحث پنجم: تہذیب اور مذہب کا تعلق

مالک بن نبیؒ نے تہذیب کو مذہب کے ساتھ جوڑا ہے۔ اُن کے مطابق ہر تہذیب کی ابتدا کسی مذہب سے ہوتی ہے، مذہب سے معاشرے میں تہذیبی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ تمام انسانی تبدیلیوں کا سہرہ فطری طور پر مذہب کے سر سجاتے ہیں۔ ان کے نزدیک "موجودہ تمام تہذیبوں (ہندو، بدھ، عیسائی اور مسلم وغیرہ) نے مذہب ہی کے آغوش میں انسان، مٹی اور وقت کو جوڑ کر ایک حقیقی اور متنوع مرکب بنایا ہے۔ تہذیب اپنے وسیع معنوں میں مذہب کے بغیر شروع نہیں ہوتی، لہٰذا مالک بن نبیؒ کے مطابق کسی بھی تہذیب میں ہمیں ان مذہبی بنیادوں کو تلاش کرنا ہو گا جس نے اس خاص تہذیب کو پروان چڑھنے میں مدد کی، چنانچہ یہ بہت بڑی بات نہیں ہے کہ ہمیں بدھ مت میں بدھسٹ تہذیب، برہمنی مت میں برہمن تہذیب کے آثار مل جائیں۔ تہذیب کسی بھی معاشرے میں پروان نہیں چڑھ سکتی جب تک وہ وحی (اس کے وسیع تر معنی میں) کی صورت میں نہ ہو، جو لوگوں کے لیے قانون سازی اور بطور زندگی وضع کرنے کے لیے نازل ہوتی ہے۔"[41]

مالک بن نبیؒ نے نزدیک دین کا مفہوم کیا ہے؟ سب سے پہلے اس کا تعین ضروری ہے، اس کو سمجھے بغیر شائد ان کی فکر میں تضاد نظر آئے گا، کیونکہ کبھی وہ دین کا ذکر کر کے آسمانی ادیان مراد لیتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے اقرار کو دین قرار دیتے ہیں جبکہ کبھی تو اس کے معنی اتنی توسیع کر دیتے ہیں کہ اللہ کے انکار پر مشتمل مذاہب بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ مالک بن نبی کس طرح دین کے لفظ کو استعمال کرتے ہیں، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ دین ان کے نزدیک تہذیب و ثقافت میں بنیادی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔[42]

قرآن کریم میں دین کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورت زمر میں دین بمعنی توحید استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَاعْبُدِ اللهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ"[43]، اسی طرح حساب اور جزا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسے ارشاد ہے: "الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ" [44]۔ اسی طرح قانون کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے سورت یوسف میں ارشاد ہے: "مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ"[45] اسی طرح بمعنی اسلام استعمال ہوا ہے، جیسے: "هُوَ الَّذِيْأَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ"[46]

امام راغب الاصفہانی کے نزدیک "والدّینُ یُقال للطاعۃ والجزاء، واستعیر للشریعۃ، والدّین کالملۃ، لکنہ یقال اعتبارا للطاعۃ والانقیاد للشریعۃ"[47] (دین اطاعت اور جزاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح شریعت کے لئے مستعار لیا گیا ہے۔ نیز دین بمعنی ملت بھی استعمال ہوتا ہے تاہم یہ اسے اطاعت کے اعتبار سے کہا جاتا ہے نیز شریعت کے سامنے جھکنے کو بھی دین کہتے ہیں۔)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: قرآنی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام کی نمایندگی کرتا ہے جس کی ترکیب چار اجزا سے ہوتی ہے:

1۔ حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ

2۔ حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم واطاعت۔

3۔ وہ نظامِ فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

4۔ مکافات جو اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری واطاعت کے صلے میں یا سرکشی وبغاوت کی پاداش میں دی جائے۔

قرآن کبھی لفظِ دین کا اطلاق معنیٔ اوّل ودوم پر کرتا ہے، کبھی معنیٔ سوم پر، کبھی معنیٔ چہارم پر اور کہیں الدین بول کر یہ پورا نظام اپنے چاروں اجزا سمیت مراد لیتا ہے۔[48] ان تمام معانی کے لئے قرآنی کریم کی بے شمار آیات بطور استدلال پیش کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں: "ان سب آیات میں دین سے پورا نظامِ زندگی اپنے تمام اعتقادی، نظری، اخلاقی، اور عملی پہلوئوں سمیت مراد ہے۔"[49]

مولانا لکھتے ہیں کہ "یہاں تک تو قرآن اس لفظ کو قریب قریب انھی مفہومات میں استعمال کرتا ہے جن میں یہ اہلِ عرب کی بول چال میں مستعمل تھا۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا اور اس سے ایک ایسا نظامِ زندگی مراد لیتا ہے جس میں انسان کسی کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرکے اس کی اطاعت و فرماں برداری قبول کرلے، اس کے حدود و ضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اس کی فرماں برداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے نظام پر حاوی ہو۔ موجودہ زمانہ کا لفظ "اسٹیٹ" کسی حد تک اس کے قریب پہنچ گیا ہے۔ لیکن ابھی اسے "دین" کے پورے معنوی حدود پر حاوی ہونے کے لیے مزید وسعت درکار ہے۔

درج ذیل آیات میں "دین" اسی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔[50] اہلِ کتاب میں سے جو لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں (یعنی اسے واحد مقتدرِ اعلیٰ تسلیم نہیں کرتے نہ یوم آخرت (یعنی یومُ الحساب اور یوم الجزاء) کو مانتے ہیں، نہ ان چیزوں کو حرام مانتے ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

اس آیت میں "دینِ حق" اصطلاحی لفظ ہے جس کے مفہوم کی تشریح اللہ جل شانہٗ نے آیت کے پہلے تین فقروں میں خود کردی ہے۔"[51]

احادیث مبارکہ میں بھی لفظ "دین" متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے جن میں ایمان کے احکام، عرف و عادت، طریقہ، امانت، اطاعت اور جزاء شامل ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں اس لفظ کے استعمالات کو دیکھ کر یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ لفظ دین چار بنیادی تصورات پر قائم ہے:

1۔ غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے۔

2۔ اِطاعت، تعبد اور بندگی صاحبِ اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔

3۔ قاعدہ وضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

4۔ محاسبہ اور فیصلہ اور جزا و سزا۔[52]

انھی تصورات میں سے کبھی ایک کے لیے اور کبھی دوسرے کے لیے اہلِ عرب مختلف طور پر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے، مگر چوں کہ ان چاروں اُمور کے متعلق عرب کے تصورات پوری طرح صاف نہ تھے اور کچھ بہت

زیادہ بلند بھی نہ تھے اس لیے اس لفظ کے استعمال میں ابہام پایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی باقاعدہ نظامِ فکر کا اصطلاحی لفظ نہ بن سکا۔ قرآن آیا تو اس نے اس لفظ کو اپنے منشا کے لیے مناسب پا کر بالکل واضح و متعین مفہومات کے لیے استعمال کیا اور اسے اپنی مخصوص اصطلاح بنالیا۔[53]

مالک بن نبیؒ نے دین کے معنی میں تعمیم کرتے ہوئے اسے اس منہج اور طریقے کے لئے استعمال کیا ہے جو کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہوں۔ چنانچہ مادی مذہب وہ ہے جو اس عقیدے پر مبنی ہو کہ مادہ الہ ہے اور تمام چیزوں کا انحصار اس پر ہے۔ اس کے مقابلے میں غیبی دین ہے جس میں تمام مخلوق کا مرجع اللہ کی طرف ہوتا ہے۔[54] اسی طرح ان کے نزدیک اشتراکی مذہب ایک زمینی دین ہے جس کے لئے اس کے ماننے والے کوشش کرتے ہیں اور جس کے لئے وہ جان دینے کے لئے بھی تیار ہوتے ہیں۔[55] اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ دین یا دینی سوچ دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے؛ ایک اخلاقی پہلو جو افراد کے سلوک اور ان کے کردار کو منظم کرتا ہے اور دوسرا ایک مابعد الطبعیاتی رجحان جو حرکات اور افعال کے لئے جواز فراہم کرتا ہے اور جو افراد میں اجتماعی جذبہ پیدا کرتا ہے۔[56] یہ دو چیزیں مالک بن نبیؒ کی دین کے تصور کو متعین کرتی ہیں۔

مذہب سماجی حقیقت کی تشکیل اور ترقی میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا اگر وہ صرف اپنی مابعد الطبیعاتی اقدار اور تعلیمات پر قائم رہے، ایسا اس صورت میں ہوگا جب ہماری نگاہ دنیاوی معاملات سے باہر ہوگی اور ہم مادی دنیا سے ہٹ کر دیکھیں گے۔ مالک بن نبی کے مطابق مذہب سے مراد تمام مذاہب، نیم مذاہب اور نظریات ہیں، ان کے یہاں مذہب ہر وہ چیز ہے جو انسان اور آسمانی قوت یا سماجی فطرت کو جوڑتی ہے۔ ہر وہ نظریہ ان کے نزدیک مذہب میں شمار ہوتا ہے جو کسی بھی طرح سماج کے افراد کے مابین ایک ربط پیدا کرتا ہے اور ان کی زندگی کی ایک نئی سمت متعین کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر مالک بن نبیؒ نے مذہب کو ایک وسیع معنی میں لیا ہے، جو ایک طویل مدتی سماجی منصوبہ ہے۔ جہاں ایک معاشرے کی تعمیر کے لیے پہلی نسل پہلا قدم اٹھائے اور دوسری نسلیں اس منصوبے کو جاری رکھیں۔[57]

مالک بن نبیؒ مذہب کو کائناتی ترتیب کا حصہ سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "قرآن کی روشنی میں، مذہب ایک کائناتی مظہر کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، جو انسان کی فکر اور تہذیب کی تنظیم و ترتیب کا کام کرتا ہے جس طرح کشش ثقلما دے کو کنٹرول کرتا ہے اور اس کے ارتقاء کے مدارج کی تعیین کرتا ہے، مذہب کائنات کا ایک جزء معلوم ہوتا ہے جو روح اور جسم دونوں کا اصل قانون ہے۔"[58]

مالک بن نبیؒ سمجھتے ہیں کہ مذہب ان نظریات کا سرچشمہ ہے جسے تہذیب اپناتی ہے۔ مذہب انسانی نفسیات کی محض روحانی اور ذہنی سرگرمی نہیں ہے، بلکہ یہ نوع انسان کے بنیادی مزاج اور کائناتی ترتیب دونوں کا ایک حصہ

ہے، جو کائنات کی ساخت میں بہت مضبوطی سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کو محض ان چند اخلاقی اقدار میں محدود نہیں کیا جا سکتا، جن کی وقت گزرنے کے ساتھ انسانوں کو ضرورت پڑتی ہے نیز اسے انسان کی سماجی و ثقافتی ترقی کے ابتدائی مراحل میں بھی محصور نہیں کیا جا سکتا۔ یوں وہ مذہب کو سماجی اقدار کے تغیر پذیر مادہ کے طور پر دیکھتے ہیں، دوسرے لفظوں میں مالک بن نبیؒ کے مطابق مذہب تین تبدیلیاں کرتا ہے:

1۔ وہ سماجی تعلقات کے روابط کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کرتا ہے۔

2۔ وہ مشترکہ سرگرمیوں کو متحرک اور قابل عمل بناتا ہے۔

3۔ وہ سماج میں افراد کے نفسیاتی رویوں کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یہ بات مالک بن نبیؒ کے نظریہ میں صاف نظر آتی ہے کہ مذہب سماج کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ کہ وہ ایسی سرگرمی انجام دے جو مشترکہ ہو اور افراد کے سلوک اور رویہ میں ایسی تبدیلی لائے جس کے بعد وہ ایک خاص مقصد کے حصول میں کوشاں رہے۔ افراد اور معاشرے کی نفسیاتی تبدیلی کسی بھی سماجی تبدیلی کے لیے اولین شرط ہے اور یہ تبدیلی تین عناصر یعنی انسان، مٹی اور وقت سے مل کر بنے ہوئے کسی بھی سماج اور معاشرے کی تاریخی اور طبعی ساخت کے لئے لازمی ہے۔ بلا کسی استثناء کے تاریخ میں تمام تہذیبیں مذہبی نظریات کے سائے میں پروان چڑھی ہیں۔ تاہم، مالک بن نبیؒ کی نظر میں، مذہب ایک متحرک شئے کے طور پر تہذیبی تنظیم کا آغاز نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ایک تہذیبی عمل کے مرحلہ سے نا گزرے اور یہ تہذیبی عمل ایسا منصوبہ ہے جس میں انسان، مٹی اور وقت ایک ساتھ جمع ہوں۔[59]

مالک بن نبیؒ نے تہذیب کے مراحل پر ایک اہم درجہ بندی کی ہے۔ انہوں نے ان مراحل کو تین زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ اول روحانی، دوم عقلی اور سوم فطری مرحلہ۔

مالک بن نبیؒ نے روحانی مرحلے کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے شمار کیا ہے اور کہا کہ اس مرحلے میں مسلمانوں نے مذہب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، یہاں تک کہ مسلم معاشرے کا ذہن، رویہ اور ان کی پوری زندگی مذہبی اور روحانی ہو گئی۔ مذہب ہی تھا جس نے ایک محرک کا کردار ادا کیا اور اقدار کو تبدیل کر دیا۔ مذہب کی روح ہی انسانیت کو عروج و ترقی اور تہذیب کی تشکیل کا موقع دیتی ہے اور جب مذہب کی روح ختم ہو جاتی ہے تو تہذیب کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ عقلی مرحلہ ہے، بن نبی کے مطابق اس مرحلے میں معاشرہ ہر میدان میں اپنے عروج کی انتہا پر تھا۔ تاہم، اس مرحلے میں مذہب کے اثر و رسوخ میں کچھ کمی نظر آتی ہے۔ تیسرا اور آخری فطری مرحلہ ہے، اس کے متعلق بن نبی لکھتے ہیں کہ اس مرحلے میں معاشرے نے اپنا ایمان کھو دیا اور تاریخ کا

ایک حصہ بن کر رہ گیا۔ اس طرح تہذیب کا دور اس مرحلے کے ساتھ ختم ہو تا ہے اور مسلم دنیا میں اخلاقی اور سیاسی زوال کا آغاز ہوا۔[60]

روحانی مرحلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو کر معرکہ صفین پر ختم ہوا اور یہاں سے عقلی مرحلے کا آغاز ہوا، یہ مرحلہ ابن خلدون اور موحد خاندان کے خاتمے تک جاری رہا اور یہیں سے فطری مرحلہ کے طور پر مسلم دنیا میں نقطہ زوال کا آغاز ہوا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ مذہب تہذیب کا ایک بڑا عنصر ہے، یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تمام سماجی تبدیلیوں کے لیے مذہبی اصلاح ضروری ہے۔ بن نبی کا خیال ہے کہ یہ تبدیلی اسلامی روح اور جدید دور کے تقاضوں کو یکجا کرنے سے ممکن ہو گی۔ فرماتے ہیں کہ تہذیب و ثقافت ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک پل کی مانند ہے اور یہ تہذیب کی تعمیر کے لیے ایک کارآمد ایجنٹ کے طور پر جسمانی اور روحانی اقدار کو اگلی نسل تک منتقل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ تہذیب کو اخلاقی نظام، جمالیاتی احساس، عملی منطق اور تکنیک کے ساتھ ایک متحرک خیال کے طور پر دیکھتے ہوئے حاصل کرنا ممکن ہے۔[61]

مبحث: ششم

مالک بن نبیؒ کی تہذیبی اصطلاحات

مالک بن نبیؒ نے مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اپنی کتابوں میں کچھ مخصوص اصطلاحات استعمال کیے ہیں۔ ان اصطلاحات کا تعلق براہ راست تہذیبی مسائل سے ہے، اگرچہ ان کی تعداد تو زیادہ ہے تاہم یہاں ایسی چند اہم اصطلاحات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کا ذکر ان کی کتابوں میں زیادہ آیا ہے:

القابلیۃللاستعمار:

یہ اصطلاح سب سے پہلے انھوں نے اپنی معروف کتاب "شروط النھضۃ" میں استعمال کیا ہے۔ اس سے پہلے ان کا ایک مضمون "الاستعمار والشعوب المستعمرہ" کے عنوان سے شائع ہو گیا تھا جس میں اس موضوع پر انھوں نے بات کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ الجزائر کے عوام نے اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلامی تہذیب کی ترقی میں کافی حد تک اپنا کردار ادا کیا۔ فرانسیسی استعمار نے الجزائری مسلمان کی ان فطری صلاحیتوں کا اندازہ لگایا اور اسے کچل کر انھیں یہ باور کرایا کہ اس کی حیثیت فقط ایک باشندہ اور دوسرے درجے کے شہری کی ہے اور اس کے اندر ایسی کوئی عقلمندی اور صلاحیت نہیں جسے بروئے کار لاکر وہ قیادت کرے۔ مزید براں اس کے سامنے تمام دروازے بند کر دئے اور ان تمام وسائل سے محروم کر دیا جس سے وہ اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتا۔[62] مالک بن نبیؒ کے مطابق الجزائری باشندے کو کوئی ایسی سوسائٹی میسر نہیں جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائے یا اس کے لئے کوئی تعلیمی ادارہ تیار کرے۔[63] انھوں نے لکھا ہے کہ "استعمار ایک چھوٹا اور معمولی سانچہ ہے جو

اس وقت تک اُگ نہیں سکتا اور نہ کوئی پھل دے سکتا ہے جب تک اس کے لئے ہماری عقل اور ہمارے جسم میں نرم اور زرخیز زمین تیار نہ کی گئی ہو"[64] استعمار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور یہ فرض کرنا کہ اس کا مقابلہ ممکن نہیں ہے در اصل یہ وہ بیماری ہے جسے مالک بن نبیؒ نے القابلیۃللاستعمار کہا ہے اور جس سے جان چھڑانا لازم ہے۔

اگرچہ مالک بن نبیؒ نے براہ راست الجزائری مسلمان کی بات کی ہے تاہم تقریباًاُن تمام مسلمان ممالک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو انگریز، فرانسیسی یا اطالوی استعمار کے زیر اثر رہے۔ مالک بن نبیؒ نے اس اصطلاح پر خصوصی توجہ دی ہے کیونکہ اکثر مسلمان اپنی پسماندگی، کمزوری اور کم مائیگی کا ذمہ دار استعمار کو قرار دیتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے کہا کہ مسئلہ کا اصل سبب بتایا جائے، اصل سبب استعمار نہیں بلکہ استعمار کے لئے راہ ہموار کرنا ہے جسے "القابلیۃ للاستعمار" کہتے ہیں۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ ہم ان نقصانات کی بات کریں جو ہمیں استعمار کی وجہ سے پہنچے ہیں ہمیں ان نقصانات کی بات کرنی چاہیے جو خود ہم نے اپنے آپ کو پہنچائی ہیں۔

اس ضمن میں مالک بن نبیؒ نے کئی ممالک کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ان کے مطابق کئی ممالک ایسے ہیں جہاں استعمار داخل ہی نہیں ہوا اور نہ ہی وہاں کوئی تباہی پھیلائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ پسماندہ ہیں، جیسے یمن کو کسی کا باجگزار نہیں رہا لیکن وہاں پر ترقی کا نام و نشان نہیں ہے۔ اسی طرح آئر لینڈ ایک چھوٹا ملک ہے جس نے انگریزی تسلط کو قبول نہیں کیا۔ اسی طرح جرمنی نے شکست تسلیم نہیں کیا نہ جنگ عظیم اول و دوم کے نتائج سے متاثر ہو کر فاتح ممالک کا قبضہ تسلیم کیا۔[65]

جاپان اور بہت سارے اسلامی ممالک ایک ہی وقت 1860ء کے لگ بھگ مغربی پڑاؤ میں داخل ہو گئے لیکن یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ صرف ایک صدی بعد ہم جاپان کو صنعتی اور اقتصادی ترقی کی چوٹی پر دیکھ رہے ہیں جبکہ اسلامی ممالک اس میدان میں بہت پیچھے ہیں، موحدین[66] کے دور کے بعد مردہ افکار نے مسلمانوں کو وہیں کے وہیں رہنے دیا ہے۔[67] مالک بن نبیؒ یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایک طرف استعمار دھوکہ فریب اور ظلم پر متصف ہے تو دوسری طرف ہمارے اندر استعمار کو گلے لگانے کی روایت موجود ہے جو در حقیقت کمینگی، خباثت اور خیانت کا دوسرا نام ہے۔[68]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ فکری اور اخلاقی مسئلہ ہے نہ کہ قبضہ اور استعمار کا۔ مالک بن نبیؒ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں نے استعمار کا مقابلہ کیا اور کئی جگھوں پر تاریخ رقم کی ہے اور آزادی حاصل کی ہے لیکن بد قسمتی سے اس کے بعد معاشرتی تعلقات کی کمزوری، ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات اور اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے اپنی نشاۃ اور ترقی کے لئے کوئی منصوبہ نہیں بنا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے یہ تجویز دی کہ ہمیں پہلے اپنے گریبانوں میں

جھانکنا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ان قربانیوں کے بعد ہم کس طرح ایک تہذیب یافتہ اور ترقی پسند معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس اصطلاح سے مالک بن نبیؒ نے اس بیماری کی نشاندہی کی ہے جو اسلامی دنیا کی جڑوں میں موجود ہے۔ ان کے مطابق کمی ہم میں ہے لہٰذا کسی سامراج پر الزام لگانے سے پہلے ہمیں خود اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے، ہم خود استعمار کو اپنی عقل پر سوار کرتے ہیں اور اپنے ممالک پر قبضے کے لئے خود راہ ہموار کرتے ہیں۔ ان کی اس اصطلاح کا خلاصہ یہ ہے کہ استعمار کی فکر کو ذہن سے نکالو تو خود آپ کے ملک سے نکل جائے گا۔ کیونکہ قابلیۃللاستعمار کا تعلق سوچ اور فکر کے ساتھ ہے جو منجمد ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر استعمار سے جان چھڑانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے آپ میں اس کے لئے حساسیت اور اسے خوش آمدید کہنے کی صلاحیت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ نیز استعمار سے جان چھڑانا اس کی فوج کو ملک سے نکالنا اور سیاسی آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ مکمل تہذیبی آزادی مراد ہے۔ مالک بن نبیؒ نے اس ساری بحث میں الجزائر کا ذکر بطور نمونہ کیا ہے جبکہ تمام عالم اسلام کا حال ایک جیسا ہے۔

مالک بن نبیؒ کے اس مشہور نظریہ "القابلیۃللاستعمار" کا خلاصہ یہ ہے کہ استعمار کسی عرب یا اسلامی ملک یا تیسری دنیا کے کسی ملک میں اپنے اہداف اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ یہ ملک یا ان ممالک کے عوام خود اس نوآبادیات کے لیے خود تیار نہ ہوں اور وہ خود استعمار کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ جب تک کسی بھی ملک کے لوگوں میں مزاحمت کا جذبہ موجود ہو اور اس کا ماحول اور معاشرہ مزاحمت کے لیے موزوں حالات اور تمام شرائط دستیاب ہوں تب تک یہ ملک استعمار کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کر سکتا اور استعمار اسے زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

فعالیۃ:

مالک بن نبیؒ نے اپنی کتابوں اور مقالات میں "فعالیۃ" کی اصطلاح کا بکثرت ذکر کیا ہے۔، جس سے مراد سرگرم رہنا اور عمدگی و مہارت کے ساتھ مسلسل کام کرنا ہے۔ مالک بن نبیؒ کے مطابق فاعلیت کا مطلب انسان کا تاریخ سازی کے لئے متحرک رہنا ہے، کیونکہ جب انسان حرکت کرتا ہے تو معاشرہ اور تاریخ حرکت میں آتے ہیں اور جب وہ جمود کا شکار ہوتا ہے تو معاشرہ اور تاریخ بھی جامد اور ساکن ہوتے ہیں۔[69] کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان اچھی سوچ اور فکر کا تو حامل ہوتا ہے لیکن وہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی استطاعت نہیں رکھتا یعنی وہ غیر فعال ہوتا، ایسے شخص کے بارے میں مالک بن نبیؒ کا کہنا ہے کہ ایسا شخص "درحقیقت وہ چیزوں کو اس کے وسائل اور چیزوں کو اس کے اہداف کے ساتھ جوڑنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے، وہ اس لئے نہیں سوچتا کہ اسے عملی جامہ پہنائے بلکہ وہ محض باتیں کرتا ہے"[70]

اپنی معروف کتاب شروط النھضہ میں فعالیت کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ وہ مضبوط شعور ہے جو انسان سے نئی چیزیں ایجاد کرواتی ہیں اور جس سے ان کے ذہن میں نئے تصورات جنم لیتے ہیں۔ وہ شعور جو اسے اپنا پیغام آگے پہنچانے کی ذمہ داری یاد دلاتا ہے اور معاملات کو سمجھنے کی خفیہ صلاحیت دیتا ہے"۔[71] فعال انسان وہ ہے جو دستیاب وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اسی طرح فعال معاشرہ وہ ہے جس کی سرگرمیوں میں تحرک، مستعدی اور ایسی پیش قدمی ہو جس سے کوئی قابل ذکر کارنامے وجود میں آئیں۔

بن نبی نے "فاعلیت" نہ ہونے کی وجہ سے عرب اور اسلامی ممالک کے معاشروں کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ان کے مطابق "ہماری سرگرمیاں کس قسم کی ہیں، اس کے لئے اپنے اردگرد ایک نظر ڈالنا کافی ہے، ہر طرف ایک فالج زدہ اور غیر سرگرم معاشرہ نظر آتا ہے"۔[72] جدید دنیا کے اقدار کے زینے میں "فاعلیت" کو اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی دنیا فاعلیت کے اس درجے میں نہیں ہے جو جدید دنیا میں اپنی حیثیت متعین کرنے کے لئے ضروری ہے۔ فاعلیت ترقی کے زینے کی اہم سیڑھی ہے اور مسلمان سب سے زیادہ اس کے محتاج ہیں۔ انھوں نے جدید دور میں "عدم فاعلیت" کو مسلمانوں کی تہذیبی اور دینی پسماندگی کا اہم سبب قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق "کیا ہم یہ محسوس نہیں کرتے کہ مثلاً ہمارا دین جو سب سے زیادہ صحیح دین ہے اور دن کی روشنی کی طرح بالکل واضح ہے، کسی حد تک ہماری وجہ سے اور ہمارے بے کار بیٹھے رہنے، سستی اور سارا سارا دن سوئے رہنے کی وجہ سے ہم اپنی صلاحیتیں کھو بیٹھے ہیں؟"[73]

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ امت کے تمام افراد بے کار ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے، یقیناً بہت سارے لوگ ہوتے ہیں جو فعال اور سرگرم رہتے ہیں لیکن معاشرے کے چند افراد کے متحرک ہونے کو معاشرے کا تہذیب و ترقی کی طرف گامزن ہونا نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ سوچ پورے معاشرے میں بحیثیت مجموعی پیدا ہو اور پوری سوسائٹی ترقی کے لئے اپنا کردار ادا کرے، ہمارا دین بھی ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ اجتماعی کوشش میں برکت ہے۔[74]

الأفكار الميّتة والأفكار المميتة: (مردہ افکار اور قاتل افکار)

اپنے تہذیبی مطالعے کے دوران مالک بن نبیؒ نے جن اصطلاحات کا اضافہ کیا ہے ان میں ایک "مردہ افکار اور مہلک یا قاتل افکار" کی اصطلاح ہے۔ "مردہ افکار یا خیالات" وہ ہیں جو اب عملی نہیں ہیں، جو ترقی کی نمائندگی نہیں کر سکتے، بلکہ ترقی کا راستہ روکتے ہیں، اور مزید کچھ پیدا نہیں کر سکتے لیکن حالات ضرور بگاڑ سکتے ہیں۔ اس کے بالکل ساتھ ہی "مہلک یا قاتل نظریات و افکار" ہیں، جو کسی دوسری ثقافت سے درآمد کیے گئے ہوتے ہیں، جو مسلمان معاشرے

کے ساتھ میل نہیں کھاتے اور نہ اُس ماحول کے ساتھ انضمام کو قبول نہیں کرتے جس کے لئے وہ تجویز کیے گئے یا اُس پر مسلط کیے گئے ہیں۔[75]

"مردہ خیالات" سماجی جینیاتی عنصر سے آتے ہیں، جبکہ "مہلک خیالات" وہ ہوتے ہیں جو فلٹر کیے بغیر دوسری ثقافتوں سے مستعار لیے جاتے ہیں۔ مالک بن نبیؒ کہتے ہیں: "اگر ان دونوں ہمیں فرق کرنا ہو، تو ہم کہیں گے کہ الموحدون کے بعد کے معاشرے سے وراثت میں ملنے والے مردہ خیالات ہمارے وجود کے لیے زیادہ مہلک معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہ نظریات ہیں جو سلطنت موحدین کے بعد جامعہ القرویین اور جامعہ الزیتونہ اور جامعہ الازہر کے میناروں کے نیچے پیدا ہوئے۔ جب تک ہم جامع کوششوں سے ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتے، یہ ان وائرسوں کی نمائندگی کریں گے جو اسلامی وجود کی ہڈیوں کو اندر سے کھوکھلا کرتے رہیں گے۔ مردہ خیال ہی اسلامی معاشرے میں مہلک خیال کی طرف لے جاتا ہے۔ مابعد موحدین کی ذہنیت وہ ہے جو ایک طرف مردہ خیالات پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف مہلک خیالات کو جذب کرتی ہے۔ شاعرانہ تبادلے کی یہ خصوصیت اپنے دوسرے پہلو میں ایک ایسے مسئلے کو جنم دیتی ہے جسے الٹا پیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ پوچھنے کی بات نہیں ہے کہ مغربی ثقافت میں مہلک عناصر کیوں ہیں، بلکہ یہ پوچھنے کی بات ہے کہ مسلم اشرافیہ ان کی طرف کیوں راغب ہے۔ اس ثقافتی تناظر میں ہمیں جس مہلک عنصر کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ایک قسم کی بربادی کے سوا کچھ نہیں یا یہ اس مغربی تہذیب کا مردہ حصہ ہے۔ اور اگر مابعد الموحدین کی ذہنیت اس کوڑے کو مغربی دارالحکومتوں سے اکٹھا کرتی ہے، تو الزام صرف اسی اشرافیہ پر ڈالا جانا چاہیے"۔[76]

مردہ خیالات وہ خیالات ہیں جو اپنی جڑوں اور ابتداء سے الگ ہو چکے ہیں اور موجودہ زمانے میں اپنی شناخت اور ثقافتی قدر کھو چکے ہیں جس کی وجہ اب وہ ہمارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں۔ بہ الفاظ دیگر اسلامی دنیا میں مردہ افکار اپنی جڑ (وحی) سے جڑے ہوئے تھے جو لوگوں کے ذہنوں میں ان کی پرورش اور نشوونما کرتے تھے، لیکن جیسے ہی معاشرے میں وحی کا کردار پیچھے رہ گیا، تو وہ خیالات ان پھلوں کی مانند ہو گئے جو اپنی جڑوں سے کٹ گئے اور خشک اور بوسیدہ ہو گئے۔ اب وہ خشک میوہ جات ان پھلوں کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں جو کہ تروتازہ اور اپنی جڑوں سے جڑے ہوئے تھے جب اسلامی تہذیب اپنے عروج پر تھی اور کیا اس جدائی کے بعد ان افکار سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہی نتائج پیش کریں جو وہ پہلے حاصل کر چکے ہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ مردہ فکر ہمیشہ مہلک فکر کا مطالبہ کرتی ہے۔

اسلامی تہذیب عروج کے بعد کا مرحلہ ان تمام مردہ اور مہلک افکار و نظریات کی تشکیل میں ایک فعال عنصر کی حیثیت رکھتا تھا جو معاشرے کو غیر مستحکم کرنے کا مرکز محور تھا، لیکن ان مردہ اور مہلک نظریات کے آپس میں اس تعلق نے ایک نیا سوال کھڑا کیا: دانشوروں کا ایک گروہ دیگر ثقافتوں کے افکار و نظریات کو چھوڑ کر بطور خاص

ان قاتل اور مہلک افکار کے پاس کیوں گیا؟ مالک بن نبیؒ کے مطابق تاریک دور میں اجتماعی شعور کی تشکیل ہی نے دانشوروں کو ان نظریات کی طرف راغب کیا، اس لیے اسلامی معاشرے کا دانشور طبقہ کو صرف یہی اختیارات نظر آتے ہیں اور باقی تمام چیزوں سے آنکھیں بند کرتا ہے یا انھیں نظر انداز کرتا ہے۔

مالک بن نبیؒ نے جاپان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک مردہ خیالات کا حامل ملک تھا اور ہماری طرح تہذیبی زوال کا شکار تھا۔ وہ بھی مغربی تہذیب سے سیراب ہو رہا تھا جیسا کہ ہم اب تک ہو رہے ہیں، لیکن وہ چند ہی برسوں میں تیسری عالمی طاقت بن گیا، اسے مردہ افکار نے اپنی تہذیب و ثقافت سے بالکل نہیں ہٹایا جیسا کہ اسلامی دنیا میں کچھ لوگ چاہتے ہیں اور نہ ہی ان کے دانشوروں اور فیصلہ سازوں نے یہ ظلم برداشت کیا کہ یورپ سے ان کے لئے صرف مردہ افکار درآمد کیے جائیں بلکہ یہ مغربی ترقی کے خیالات کو ساتھ لے آئے اور اسے اپنی مستند ثقافت اور جاپانی معاشرے کی قدیم روایات کے مطابق ڈھال دیا، اس لیے اس نے ایک ایسا مرکب تشکیل دیا جس سے آج اس کی عظیم عمارت کھڑی ہے۔[7877]

الغرض اُن کے مطابق کوئی معاشرہ اور قوام اگر کسی مشکل سے دوچار ہے تو وہ تہذیب کا مسئلہ ہے۔ اگر اس قوم کے اندر ہم آہنگی کے شرائط پورے ہیں تو ان کی تہذیب اونچائی پر ہو گی اور اس قوم کے تمام مسائل اس کے تحت خود بخود حل ہوں گے، چاہے وہ استعمار کا مسئلہ ہو یا غربت اور جہالت کا۔ کیونکہ یہ ساری بیماریاں در اصل ایک بیماری کی مختلف شکلیں ہیں اور وہ بیماری "تہذیب کا فقدان" ہے۔ مالک بن نبیؒ نے اس بیماری اور اس طریقہ علاج کو اپنی اکثر کتابوں کا موضوع بنایا ہے۔

مصادرومراجع

[1]۔ زوار حسین، تہذیب (ملتان: بیکن بکس گلشت، ط۔: اول)، ص: 15۔

[2]۔ حضارۃ اور اس کے مدلولات کے حوالے سے تفصیلات کے لئے دیکھئے: **المعجم الوسیط** (مجموعہ من العلماء)، (بیروت: مکتبۃ الشروق الدولیۃ، ط: 4، 2004ء، مادۃ: حضر۔

[3]۔ مونس حسین، الحضارۃ، **دراسۃ فی اصول و عوامل قیامھا و تدھورھا** (الکویت: المجلس الوطنی للثقافۃ والفنون و الآداب، 1978ء)، ص: 381۔

[4]۔ ابن خلدون، ابو زید عبد الرحمن بن محمد، **مقدمہ**، تحقیق: عبد الواحد وافی (القاہرۃ: دار نھضۃ مصر، ط: 3)، ج: 2، ص: 548۔

[5]۔ بن نبی، مالک، **شروط النھضہ**، ترجمہ: عمر کامل مسقاوی و عبد الصبور شاہین (دمشق: دار الفکر، 1986ء)، ص: 62۔

[6]۔ مونس حسین، **الحضارة**، ص:13۔

[7]۔ ولیم ڈیورنٹ یا ول ڈیورانٹ William James Durant نومبر 1885 کو امریکہ میں پیدا ہوئے، وہ تاریخ دان اور فلسفی تھے، ان کی وجہ شہرت ان کی معروف کتاب The Story of Civilization "تہذیب کی کہانی" ہے جو 11 جلدوں میں شائع ہوئی اور جو مختلف خطوں اور ممالک کی تہذیبی تاریخ پر مشتمل ہے۔ انھوں فلسفہ اور تہذیب پر دیگر اہم کتب بھی تصنیف کیں، ان کی وفات 1981ء میں ہوئی۔ ان کی تفصیلی تعارف کے لئے دیکھئے:
https://en.wikipedia.org/wiki/Will_Durant

[8]۔ ول ڈیورنٹ، **قصة الحضارة**، ترجمہ: زکی نجیب محمود و محمود بدران (بیروت و تونس: جامعۃ الدول العربیہ، 1965ء)، ص:3۔

[9]۔ اے ایچ جونسون، Whitehead's Philosophy of Civilization (فلسفۃ وایتہید فی الحضارۃ)، ترجمہ: یاغی، عبد الرحمن (بیروت: المکتبۃ العصریہ، ونیویارک: وموسسۃ فرانکلین، 1965ء)، ص:15۔

[10]۔ نور، محمد عبد المنعم، **الحضارة والتحضر: دراسة اساسية لعلم الاجتماع الحضرى** (القاہرۃ: مکتبۃ القاہرہ الحدیثۃ، 1970ء)، ص:6،5۔

[11]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، **اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، طبع:30، 2013ء)، ص:8، 9۔

[12]۔ ایضا، ص:6۔

[13]۔ سید قطب شہید نے اس ضمن میں ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے ایک مجلس میں اپنی ایک زیر طبع کتاب جس کا نام "نحو مجتمع اسلامی متحضر" (مہذب اسلامی معاشرہ) تھا، کا تذکرہ کیا لیکن اگلے اعلان میں مَیں نے اس سے مہذب کا لفظ حذف کر دیا اور اس کا نام صرف "اسلامی معاشرہ" رکھ دیا کہ میرے نزدیک اسلامی معاشرہ ہی مہذب معاشرہ ہے لہذا مہذب لفظ غیر ضروری اضافہ ہے۔ سید قطب نے لکھا ہے کہ اس پر ایک الجزائری مفکر جو فرانسیسی زبان میں لکھتا ہے نے اعتراض کیا اور کہا کہ میں نے صرف نفسیاتی عمل کے نتیجے میں اسلام کی مدافعت کے لئے یہ تبدیلی کی ہے جو ناپختگی کی علامت ہے اور اصل مسئلے سے بھاگنے کی کوشش ہے۔ سید قطب نے اگرچہ اس مفکر کا نام نہیں لکھا ہے تاہم اس سے مراد مالک بن نبی ہی ہیں۔ اس واقعے کی تفصیل کے دیکھئے: **معالم فی الطریق** (بیروت والقاہرہ: دار الشروق، الطبعۃ الشرعیۃ السادسۃ، 1979ء)، ص:106، 107۔

[14]۔ سید قطب، **معالم فی الطریق** (جادہ ومنزل) ترجمہ: خلیل احمد حامدی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ط:8، 1983ء)، ص: 273، 274۔

[15]۔ مولانا مودودی کے نزدیک دنیا کی ہر تہذیب دنیوی زندگی کے تصور، مقصد زندگی، اساسی عقائد وافکار، تربیت افراد اور نظام اجتماعی سے ہی بنتی ہے۔ دیکھئے: **اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی**، ص:8، 9۔

16۔بن نبی،آفاق جزائرية(مکتبۃ عمار،ط:2،1971ء)،ص:38۔

17۔بن نبی،المسلم فی عالم الاقتصاد(دمشق:دار الفکر،ط:3،1987ء)،ص:61۔

18۔بن نبی،مشکلة الثقافة،ترجمہ:عبد الصبور شاہین(بیروت:دار الفکر،ط:4،(نشر مکرر:2000ء)،ص:101۔

19۔آفاق جزائرية،ص:38۔

20۔شروط النهضة،ص:43۔

21۔العویسی،عبد اللہ بن حمد،مالک بن نبی؛ حیاته و افکاره(بیروت:الشبکۃ العربیہ للابحاث والنشر،2012ء)،ص: 390-391۔

22۔ایضا،ص:392

23۔شروط النھضۃ،ص:35۔

24۔مالک بن نبی،تأملات، 21-22۔

25۔الرعد:13:11۔

26۔Malek Bennabi, Islam in History and Society, trans., Asma Rashid (Islamabad: Islamic Research Institute 1988), 10; BadraneBenlahcene, "Malek Bennabi's Concept and Interdisciplinary Approach to Civilisation," 64-65.

27۔مالک بن نبی،شروط النهضة،ص:61۔

28۔مالک بن نبی،مشکلات الثقافة،ص:100۔

29۔شروط النھضہ،ص:108۔

30۔شروط النھضہ،ص:113۔

31۔Basit Bilal Koshal, "Islam and Post-Modern Possibilities," The Quranic Horizons 5:4, 54.

32۔شروط النھضہ،ص:139۔

33۔ایضا،ص:141۔

34۔Fawzia Bariun, **Malik bsnnabi, His Life and Theory of Civilization,** Kuala Lumpur, Muslim Youth Movement of Malaysia, 1993, p 162

35۔مالک بن نبی،شروط النهضه،ص:140

36۔ایضا،ص:143-144۔

37۔ایضا،ص:144۔

38۔ایضا،ص:135۔

39۔سیف الدین،سید،**مالک بن نبی: دورجدید کے اسلامی وسماجی مفکر**،ترجمہ:ابو سالم یحیٰ،ماہنامہ رفیق منزل، شمارہ:12،دسمبر2022ء۔

40۔سیف الدین،سید،**مالک بن نبی: دورجدید کے اسلامی وسماجی مفکر**،ایضا۔

41۔سیف الدین،سید،مالک بن نبی:دورجدید کے اسلامی وسماجی مفکر،ایضا۔

42۔العویسی،ڈاکٹر عبداللہ بن حمد،مالک بن نبی،حیاتہ وفکرہ(لبنان:الشبکۃالعربیۃللابحاث والنشر،2016)،ص:237۔

43۔الزمر:2۔

44۔المطففین:11۔

45۔یوسف:76۔

46۔التوبہ:33۔

47۔ الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد الراغب، المفردات فی غریب القرآن (القاہرہ: شرکۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، 1961ء)،مادہ دین۔

48۔مودودی،ابوالاعلیٰ، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں(لاہور:اسلامک پبلی کیشنز،ط:30،مئی2000ء)125۔

49۔ایضا،ص:131۔

50۔التوبۃ:29۔

51۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں،ص:132-133۔

52۔آیضا،ص:125۔

53۔ایضا،ص:125۔

54۔مالک بن نبی،الظاہرہ القرآنیۃ،ص:70اور78۔

55۔مالک بن نبی،دور المسلم ورسالتہ فی الثلث الاخیر من اقرن العشرین(دمشق:دار الفکر،1978)،ص:30-31۔

56۔مالک بن نبی،فکرۃ کومنولث اسلامی،ترجمہ:الطیب الشریف،ط:2(بیروت:دار الفکر المعاصر،دمشق:دار الفکر۔2000ء)، ص:50۔

57۔سیف الدین،سید،مالک بن نبی:دورجدید کے اسلامی وسماجی مفکر،ایضا۔

58۔ مالک بن نبی، الظاہرۃ القرآنیۃ، ترجمہ: عبد الصبور شاہین، تقدیم: محمد عبد اللہ دراز و محمود محمد شاکر، (بیروت: دار الفکر المعاصر،1987ء،اعادہ طبعہ2002ء)300۔

59۔ سیف الدین، سید، مالک بن نبی: دور جدید کے اسلامی و سماجی مفکر، ترجمہ: ابو سالم یحیٰ ، ماہنامہ رفیق منزل، شمارہ:12، دسمبر2022ء۔

[60]۔ سابقہ مصدر

[61]۔ مالک بن نبی، وجهة العالم الاسلامی، ترجمہ: عبد الصبور شاہین (بیروت: دار الفکر المعاصر، 1986ء)، ط:1، اعادة الطبع 2002ء، ص:29-30۔

[62]۔ بناسی، احمد، المدخل الی ذکر مالک بن نبی، ص:65،66۔

[63]۔ مالک بن نبی، شروط النهضة، ص:151۔

[64]۔ مالک بن نبی، مجالس دمشق (دمشق: دار الفکر، ط:1، 2005ء)، ص:54۔

[65]۔ العبدة، محمد، مالک بن نبی مفکر اجتماعی ورائد اصلاحی (دمشق: دار القلم، ط:1، 2006ء)، ص:81۔

[66]۔ سلطنت موحدین شمالی افریقہ میں بربر نسل کے مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ اس کے بانی کا نام محمد بن تومرت تھا۔ ان کی سلطنت بارہویں صدی عیسوی کے دوسری دہائی میں قائم ہوئی اور 1267ء تک جاری رہی۔ یہ سلطنت شمالی افریقہ سے لے کر اندلس تک پھیلی ہوئی تھی، اس دور میں مسلمانوں نے بہت ترقی کی۔ اندلس پر مسیحی قبضے کے ساتھ ہی موحدین کا دور ختم ہو گیا۔ ان کی تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: www.marefa.org/موحدون

[67]۔ مالک بن نبی، فی مهب المعرکة (دمشق: دار الفکر، ط:3، 1981ء)، ص:134۔

[68]۔ مالک بن نبی، بین الرشاد والتیه (دمشق: دار الفرکر، ط:1، 1978ء)، ص:198۔

[69]۔ مالک بن نبی، تاملات، ص:129۔

[70]۔ مالک بن نبی، مشکلة الثقافة، ص:87۔

[71]۔ مالک بن نبی، شروط النهضة، ص:63۔

[72]۔ مالک بن نبی، مشکلة الثقافة، ص:86۔

[73]۔ مالک بن نبی، دور المسلم ورسالته فی الثلث الاخیر من القرن العشرین، ص:61۔

[74]۔ اس ضمن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ "ید الله علی الجماعة" یعنی اللہ کی تائید ونصرت اجتماعی طور پر کوشش کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

[75]۔ بناسی احمد، المدخل الی فکر مالک بن نبی، ص:132۔

[76]۔ مالک بن نبی، مشکلة الافکار فی العالم الاسلامی، ص:149-150۔

[77]۔ سابقہ مصدر، ص:151۔